Gohar e tehqeeq گوہر تحقیق
گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور
Year 2022; Vol 01 (Issue 01)
P. 54-68 https://journals.gscwu.edu.pk/

ڈاکٹر محمد طاہر بوستان خان
لیکچرار، شعبہ اردو، کیڈیٹ کالج سوات

Dr. Muhammad Tahir Bustan Khan
Lecturer, Department of Urdu, Cadet College, Swat

ریاست بھوپال تاریخ کے آئینے میں (۱۷۰۷ء تا ۱۸۸۶ء)

State of "Bhopal" in the Light of History

Abstract:

The state of Bhopal is constituted of 6764 square Km. The historical facts of Bhopal determine that Bhoj, the ruler of Dhar (1018 - 1060A) had conquered 25 square Km area in which he constructed a collosal pond. There was a village situated on the bank of that pond, which ultimately changed the name of the village to "Bhojpal". Officially, Bhopal claimed the status of the capital in 1727AD, the founder of this Muslim state was Sardar Dost Muhammad Khan. The history of Bhopal can be divided into two parts. One concerning Sardar Dost Muhammad Khan and his accord with the British government, while the second part deals with written treaty with the British government to the last ruler of the state namely Nawab Hameedullah Khan.
Key Words: State, Historical, Constructed, Ultimately, Divided, Treaty, British Government, Facts, Rule

آزاد ہندوستان کے وسیع و عریض صوبہ مدھیہ پردیش کی راج دھانی بھوپال، ہندوستان کی آزادی سے قبل ایک چھوٹی سی مسلم ریاست کا نام تھا جو اپنے مخصوص سیاسی وقار، تہذیبی انفرادیت، ادب نوازی اور علمی معیار کے باعث وسط ہند میں شمالی اور جنوبی ہند کی مسلم ریاستوں کی تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتی تھی۔ اس کا محل وقوع کوہِ ندھیاچل کی سطح مرتفع اور نشیبی حصہ ہے جو اپنے قدرتی مناظر سر سبز گھنے جنگلات اور لاتعداد ندیوں اور تالابوں کے باعث کافی پر بہار اور حد درجہ نظر فریب علاقہ تھا۔ ریاست

بھوپال کا رقبہ تقریباً ۵۲'۱۲۹۶ مربع میل پر محیط تھا۔ جس میں مالودہ، گونڈوانہ اور بندیل کھنڈ کے علاقے شامل تھے۔ (سطح مرتفع کا حصہ مالوہ ہے اور نشیبی حصہ گونڈوانہ سے تعلق رکھتا ہے جن میں گونڈوں اور کاکوروں کی چھوٹی چھوٹی جاگیریں اور ٹھکانے تھے اور سطح مرتفع پر سولنکی راجپوتوں کی آبادی تھی) ریاست کی آبادی تقریباً ۲۲۳۵۸۷ نفوس پر مشتمل تھی۔ عالم گیر محمد خاں نمود "تذکرہ شبستان عالمگیری" میں اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"رقبہ اس ریاست کا چھ ہزار سات سو چونسٹھ میل مربع کمسر ہے محال بیرسیہ اس سے مستثنیٰ ہے جو بعد رفع تزلزل زمانہ غور حسنِ خدمات وثابت قدمی نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشیں سرکار انگریزی سے عطا ہو کر متحد شامل مضافات ریاست ہذا ہوا رقبہ اس کا چار سو اٹھتہر میل مربع ہے جملہ سات ہزار دو سو بیالیس میل مربع ہوا۔ ریاست ہذا میں باستثناء دار لحکومت تین ہزار تین سو چونیتس مواضع وقصیات ہیں چھ قلعہ نو سو تینتالیس مندر تین سو تہتر مسجد ایک سو چوراسی تالاب نو ہزار تین سو چھ کنویں ہیں۔ دو ہزار تین سو ترپین باغ ایک سو اٹھانوے تکئیے آٹھ لاکھ نواسی ہزار سات سو ستر آدمی ہیں۔ ملک چار نظامت پر منقسم ہے تینتیس پر گنے چار ناظم تینتیس تحصیلدار سینتیس تھانیدار مقرر ہیں۔ شہر میں چھبیس محلّے پچیس دفتر، تین قید خانے چار مطبع دس مدرسے تینتیس شفاخانے معمور آمدنی خالصہ کی چوبیس لاکھ بچھتر ہزار چھ سو اٹھاون روپے چار آنہ سال کی ہے، جاگیرات علیحدہ ہیں۔"(۱)

ریاست بھوپال مرہٹوں کے علاقوں سے گھری ہوئی تھی جس کے اطراف میں گوالیار، اندور، اوجین اور ہوشنگ آباد وغیرہ چھوٹی بڑی ریاستیں قائم تھیں۔ تاریخی شواہد سے علم ہوتا ہے کہ ۴۶۶ء میں بھوپال مہاراجہ اشوک کی سلطنت میں شامل تھا۔ جب کہ فلیٹ کی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ "بھوپال کی تعمیر ابتداء راجہ بھوج سے ہوئی۔"(۲)

سر جان میکلم (Sir John Maeclom) نے ۱۸۱۸ء میں اپنی کتاب "ممائرس آف سینٹرل انڈیا" میں تاریخ بھوپال کے ابتدائی حالات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ بھوپال کی ابتداء راجا بھوج سے ہی ہوتی ہے۔ اسی مناسبت سے اس شہر کا نام بھوج پال رکھا گیا جو کثرت استعمال سے بھوپال ہو گیا۔ اسی سلسلے میں محترمہ طیّبہ بی لکھتی ہیں:

"یہ شہر دوسرے براعظم کے صوبہ مالوہ میں خط استواء سے ایک سو گیارہ درجہ لمبائی میں اور تیئس درجہ چوڑائی میں ایک چھوٹے سے پہاڑ پر آباد تھا۔ دھار نگری جو اب شہر بیر انِ دھار کے نام سے مشہور ہے وہاں کے راجہ بھوج نے دو پہاڑوں کے درمیان ایک سنگین اور مستحکم بلند پشتہ بندھوا کر تالاب تیار کیا اور اس پشتہ پر قلعہ بنوایا (یہ قلعہ پرانا قلعہ کے نام سے مشہور ہے) ہندی میں پال پل کو کہتے ہیں۔ بھوجپال ترجمہ ہوا بھوج کا پُل جو کثرت استعمال سے بھوپال ہو گیا۔"(۳)

بھوپال کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دھار کے بھوج نامی راجہ (۱۰۱۸ء سے ۱۰۶۰ء) نے تقریباً ۵۲ مربع میل رقبہ میں ایک تالاب بنوایا تھا جس کے کنارے ایک گاؤں بھی آباد تھا۔ اسی مناسبت سے اس گاؤں کا نام بھوجپال ہوا۔ موجودہ بھوپال اسی بھوجپال کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ متذکرہ تحقیق کی رو سے ابتداء سے مہارانی کملاپتی کے عہد تک ریاست بھوپال ہندو راجاؤں کے زیر نگیں رہی۔ مسلم ریاست بھوپال کے بانی میرازی خیل افغان، سردار دوست محمد خاں تھے۔ افغانستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں "تراہ" کے رہنے والے امیر دوست محمد خاں نہایت جری، جفاکش اور ذہین انسان تھے۔ ان کی (پہلی مرتبہ) ہندوستان آمد کے سلسلے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی تحقیق کے مطابق وہ ۱۶۹۶ء میں عہد عالمگیری میں بعمر ۲۳ برس ہندوستان آئے اور اورنگ زیب کی فوج میں بحیثیت سپاہی ملازمت اختیار کی اور ۱۷۰۸ء میں پہلی مرتبہ مالوہ میں داخل ہوئے لیکن بعض مورخین اور "مصنف تاج الاقبال" کے مطابق دوست محمد خاں ہندوستان پہلی بار ۱۱۲۰ ہجری مطابق ۱۷۰۸ء میں اس وقت آئے جب کہ یہاں عالمگیر کے بیٹے بہادر شاہ اوّل عرف معظم کی حکومت تھی۔ سلطان جہاں بیگم "حیاتِ سکندری" کے ص ۲ پر ان کی آمد عہد عالمگیری میں بتاتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

"میرازی خیل، کے مشاہیر سرداروں میں دوست محمد خاں بن نور محمد خاں نہایت بہادر اور ممتاز مقتدر سردار تھے جو آخر عہد اورنگ زیب عالم گیر میں تراہ (افغانستان) سے ہندوستان آئے اور افواج شاہی میں داخل ہو کر ترقیاں حاصل کیں۔ شہنشاہ کی رحلت کے بعد محض اپنے زور بازو

اور شجاعت وفراست سے صوبہ مالوہ میں ریاست بھوپال کی بنیاد ڈالی اور اسلام نگر کو دار لحکومت بنایاجو بھوپال سے جانب شمال ۶ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پھر ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۳۲ میں بھوپال جو ایک معمولی قریہ تھادار لحکومت قرار دے کر شہر کی آبادی اور قلعہ (فتح گڑھ) کی تعمیر شروع کی۔"(۴)

جب کہ شبستان عالمگیری کی درج ذیل تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ:

"امیر دوست محمد خاں بہادر میرازی خیل جو موسس اساس بھوپال پشوائے جماعت ارباب دولت و اقبال تھے ۱۱۲۰ ہجری میں بعدِ مملکت و دارائی شاہ فرّخ سیر وبروایت تاریخ بھوپال بزمانہ آغاز سلطنت بہادر شاہ اورنگ زیب عالگیر بادشاہ تراہ سے ہندوستان آئے ازانجا کہ بہ سبب ضعف سلطنت دہلی ہندوستان میں طوائف الملوکی کا عالم ہو رہا تھا انھوں نے ملک مالوہ کو فتح کیا اور بزورِ شمشیر صاحب حکومت ہوئے ۱۱۴۰ہجری کو قلعہ وشہرپناہ بھوپال بنایا۔(۵)

متذکرہ بالا بیان کی تصدیق تاج الاقبال ص۔۷ پر درج تحریر سے بھی ہوتی ہے جس کے مطابق شہرپناہ و قلعہ فتح گڑھ کی تعمیر بروز جمعہ نہم ذی الحجہ ۱۱۴۰ہجری مطابق ۱۷۲۷ء کو ہوئی تھی۔ لیکن ڈاکٹر سلیم حامد رضوی نے اپنے تحقیقی مقالہ "اُردوادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" میں بھوپال کو دارالحکومت قرار دینے کا سنہ ۱۷۲۲ء تحریر کیاہے۔

متذکرہ بالا اقتباسات کی روشنی میں سردار دوست محمد خاں کی بھوپال آمد اور قلعہ وشہرپناہ کی تاریخ کے سلسلے میں شبستان عالمگیری اور تاج الاقبال کی تحریریں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہیں جس کے مطابق وہ ۱۱۲۰ہجری مطابق ف ۱۷۰۸ء میں پہلی بار ہندوستان آئے اور ۱۱۴۰ھ بمطابق ۱۷۲۷ء میں بھوپال میں قلعے کی بنیاد رکھی۔ سردار دوست محمد خاں نے مغلیہ فوج میں شامل ہو کر اپنی نمایاں کارکردگی اور اعلیٰ صفات کے باعث جلد ہی ترقی کی منازل طے کرلیں چناں چہ مالوہ اور دکن کی لڑائیوں میں جب انھوں نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے تو مردم شناس نگاہوں نے قدردانی کا ثبوت دیااور انھیں ہراوّلِ خاص میں شامل کرلیا گیا۔ اورنگ زیب کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کے حصول کے لیے جنگ شروع ہوگئی جو ملک میں بدامنی، عدم استحکام اور انتشار

کا باعث بنی۔ سر دار دوست محمد خاں نے ان حالات سے بد دل ہو کر فوج کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور تلاش معاش کے لیے مالوہ کا رخ کیا۔ یہاں آکر راجپوت رئیسوں کے یہاں ملازمت اختیار کی اور کچھ عرصہ بعد ہی تاج محمد خاں سے ان کی جاگیر کا علاقہ "بیر سیہ" گوپال رائے ساہو کار اور قاضی محمد صالح (بھوپال کے پہلے شاعر) کی وساطت سے اجارہ پر لے لیا اور اپنی بہادری اور دانش مندی سے قرب وجوار کے علاقے فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔ دوست محمد خاں بادشاہ دہلی کے نمک خوار اور وفادار تھے۔ لہٰذا ان کے ایماء پر نظام الملک آصف جاہ سے جنگ کی جس کا بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ مختصر جاگیر وسیع اور کشادہ ہوتی گئی بالا آخر ہوشنگ آباد سے بھیلسہ تک کا زرخیز علاقہ ان کے قبضے میں آگیا۔ گنور کی رانی کملاپتی کی مدد کرنے اور اس کے شوہر کے قاتل باڑی کے راجہ کو قتل کرنے کے صلہ میں رانی کملاپتی نے بھوپال کا علاقہ بھی اپنے محسن دوست محمد خاں کی نذر کر دیا۔ رانی کے انتقال کے بعد گنور کا تمام علاقہ بھی دوست محمد خاں کے قبضے میں آگیا۔ اس طرح اٹھارویں صدی عیسوی کے ربع اوّل میں سر دار دوست محمد خاں نے باقاعدہ طور پر بھوپال میں ایک خود مختار ریاست کی بنیاد قائم کی۔

نئی ریاست کے دور اندیش فرماں روانے ریاست کی خوشحالی، استحکام اور امن و امان کے لیے متعدد قابلِ ذکر اقدامات کیے۔ بڑی تعداد میں اعزہ، اقرباء اور معتمد مقربین کو افغانستان سے بلا کر اعلیٰ مناصب اور عہدوں پر فائز کیا۔ دوست محمد خاں کی زیر سرپرستی ملک کے مختلف شہروں کے علماء فضلاء نے بھوپال کے تہذیبی، تمدنی، علمی، ادبی اور مذہبی وقار کو سر بلند کیا۔ امرا نے اپنے اپنے ناموں پر محلے آباد کیے، مسجدیں تعمیر کرائیں اور درس و تدریس کے انتظامات کیے۔

ان حالات کو دیکھ کر دہلی اور دیگر مسلم ریاستوں کے علماء فضلاء بھی کشاں کشاں بھوپال آنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ریاست وسط ہند میں دہلوی تہذیب کی نمائندہ بن گئی۔ سر دار دوست محمد خاں کے عہد کے متعلق رستم علی سرہندی رقم طراز ہیں:

> "بھوپال صحیح معنوں میں دار الامان کہلائے جانے کا مستحق تھا۔ سر دار مرحوم
> کی دین داری اور علم نوازی کی بدولت اطراف ہند سے علماء و فضلاء بھوپال
> آئے رہتے تھے اور نواب کے دستر خوان پر فقراء و علماء کی بڑی جماعت بیٹھی
> تھی جن کی بدولت علم وادب کا چرچہ عام تھا۔"(٦)

دوست محمد خاں محض ادب نواز ہی نہ تھے بل کہ ادیب بھی تھے۔ محمد امین زبیری کے مطابق نواب دوست محمد خاں اہل علم کی قدر و منزلت کرتے تھے۔ خود ان کو انشاء پردازی اور فارسی ادب میں دستگاہ کامل تھی اور اس کے نمونے بھی قدیم کاغذات میں ہم نے دیکھے ہیں۔ ان کے گرد و پیش اور دربار میں بڑے بڑے عالم و قابل مسلمان اور ہندو تھے۔ ۱۷۹۳ء میں نظام الملک آصف جاہ نے جب دہلی سے حیدرآباد کا سفر کیا تو پرانے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔ انتقام کی آگ بھڑک اٹھی لہٰذا انھوں نے اسلام نگر میں اس غرض سے پڑاؤ ڈالا کہ بھوپال کے حکمرانوں کو، والی ریاست حیدر آباد کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کی سزا دی جائے۔ بھوپال کے دور اندیش سردار نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے معافی کی درخواست پیش کر دی اور بطورِ ضمانت اپنے ولی عہد یار محمد خاں کو نظام کے حوالے کر دیا۔ چناں چہ یار محمد خاں کی علمی اور دینی تربیت و تعلیم دوران قیام حیدرآباد شاہانہ ماحول میں ہوئی۔

۱۱۵۳ہجری مطابق ۱۷۴۰ء میں دوست محمد خاں کے انتقال پر نظام حیدرآباد نے یار محمد خاں کو بحیثیت نائب السلطنت بھوپال روانہ کر دیا۔ اس اثناء میں دوست محمد خاں کے چھوٹے صاحبزادے سلطان محمد خاں (عمر ۲۱ سال) کو مسند نشین کر دیا گیا تھا لیکن نظام الملک آصف جاہ نے جب یار محمد خاں کو خلعت خاص ماہی مراتب اور ایک بڑی فوج کے ساتھ نوابی خطاب دے کر روانہ کیا تو سلطان محمد خاں کی والدہ کی کوشش سے یار محمد خاں کو ہی مسند نشین کر دیا گیا۔ ان کے عہد میں ریاست کو مزید استحکام حاصل ہوا۔ نواب یار محمد خاں اپنے والد سردار دوست محمد خاں کی طرح جری اور بہادر تھے۔ لہٰذا انھوں نے اسلام نگر میں عمارتوں کی تعمیر کے علاوہ ملک گیری کا کام بھی انجام دیا اور چند برسوں میں ہی سیوانس، پٹھاری، اودے پورہ، راحت گڑھ وغیرہ کے علاقے فتح کر لیے۔

برکھابھان کروڑ کے علاقے میں جنگ کی اور وہیں کی ایک حسین و جمیل لڑکی کو مشرف بہ اسلام کر کے اس سے نکاح کیا اور اس کا نام مموله بی رکھا۔ جنھوں نے بعد میں دین و دنیا دونوں اعتبار سے شہرت حاصل کی۔ وہ ایک مدّبر خاتون تھیں۔ نواب فیض محمد خاں کے عہد میں حکومت کے کاموں میں ان کا بڑا دخل تھا۔

بھوپال میں علم و ادب کی فضاء قائم ہو چکی تھی۔ نواب یار محمد خاں اپنے ہمراہ حیدرآباد سے نامی گرامی علماء و فضلاء کو بھوپال لائے۔ ان میں ملاّ احمد دکنی بھی تھے۔ جنھوں نے اس عہد کی تاریخ لکھی۔ یہی وہ زمانہ ہے جب رستم علی سرہندی نے دورانِ قیام بھوپال، امیر دوست محمد خاں اور یار محمد خاں کی سوانح حیات اپنی کتاب تاریخِ ہندی میں شامل کی، اسی کتاب سے ایلیٹ نے بھوپال سے متعلق اپنی مشہور تاریخ "History of India told by their own Mohammadan Historians" میں استفادہ

کیا۔۱۱۲۷ہجری مطابق ۱۷۳۵ میں نواب یار محمد خاں نے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔ ان کے بڑے صاحبزادے نواب فیض محمد خاں جنھوں نے اپنی عمر کی ابھی گیارہ ہی منزلیں طے کیں تھیں، تخت نشین ہوئے اور ریاست کی دیکھ بھال کی ذمہ داری ماجی ممولہ (والدہ فیض محمد خاں) اور دیوان بجے رام سنگھ کے کاندھوں پر آگئی۔ کم عمر نواب کی تخت نشینی سے ریاست بھوپال کا استحکام خطرے میں پڑ گیا۔ خانہ جنگی پھوٹ پڑی جیسے جیسے انتشار بڑھتا گیا حالات ابتر ہوتے گئے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ باجی راؤ پیشوا نے ریاست پر حملہ کر کے بھیلسہ، شجاعلپور، سیہور، اچھاور احمد پور، دوراہا اور آشٹہ اپنے قبضے میں کر لیے۔ ریاست کا تقریباً نصف حصہ نواب کے ہاتھ سے جاتا رہا اور وہ باقی عمر اس کی تلافی نہ کر سکے اور مرضِ استسقاء میں مبتلا ہو کر بروز جمعہ ۱۱۱۹ ہجری مطابق ۱۷۷۷ء میں انتقال کیا۔ چوں کہ ان کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا جانشینی کے لیے ایک بار پھر زور آزمائی شروع ہو گئی لیکن ماجی ممولا کی بروقت مداخلت، ہوش مندی اور حکمت عملی نے حالات کو مزید بگڑنے سے روک لیا۔

یکم محرم ۱۱۱۹ھ کو نواب مرحوم کے چھوٹے بھائی حیات محمد خاں کی فرمانروائی فریقین میں وقتی مصالحت کا سبب بن گئی لیکن سازشی ذہن اپنا کام کرتے رہے۔ ان حالات سے متاثر ہو کر ماجی ممولا نے ایک مرتبہ پھر اپنی دانش مندی اور دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ انھوں نے قلمدان وزارت ایک نو مسلم برہمن زادے چھوٹے خاں کے سپرد کر کے ریاست کو ختم ہونے سے بچا لیا۔ "ریاست یہیں ختم ہو جاتی اگر ماجی ممولا کی مردم شناسی اور تدبر آڑے نہ آجاتا انھوں نے اپنے ایک پروردہ نو مسلم برہمن زادے کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا جس نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ریاست کو بچا لیا۔" دیوان چھوٹے خاں ایسے نازک وقت میں ریاست بھوپال کے لیے حکومت بہمنی کا "محمود گاواں" ثابت ہوئے۔ انھوں نے اپنی دانش مندی اور سیاسی تدبر سے بعض حیرت انگیز کارنامے انجام دیے۔ بااثر پٹھانوں کی گروہ بندی کا خاتمہ کیا۔ شہر میں امن و امان قائم رکھنے کی خاطر جگہ جگہ پولیس چوکیوں کے انتظام اور دیگر ریاستوں میں سفارتی تعلقات کے علاوہ شہر کے تحفظ کے لیے سات دروازوں والی ایک فصیل تعمیر کرائی نیز ریاست میں تعلیم و تجارت کے فروغ کے سلسلے میں کئی کارہائے نمایاں انجام دیے۔

۱۷۲۹ء میں ماجی ممولا کا اور ۱۷۴۹ء میں دیوان چھوٹے خاں کا انتقال ہو جانے کے بعد ریاست بھوپال ایک بار پھر سیاسی انتشار اور بدامنی کا شکار ہو گئی۔ مرہٹوں نے اس کمزوری سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ نواب حیات محمد خاں میں حالات سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی لہٰذا ریاست کے علاقے بتدریج مرہٹوں کے قبضہ میں جانے لگے۔ لیکن یہ بھوپال کی خوش بختی تھی کہ شاہی خاندان کے ایک

جلاوطن شہزادے وزیر محمد خاں بھوپال کی بدحالی اور بربادی کا حال سن کر ۱۷۵۹ء میں بھوپال آگئے اور نواب حیات محمد خاں نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں معافی دے کر ریاست کا سپہ سالار اور دیوان مقرر کر دیا۔ وزیر محمد خاں توقع سے زیادہ ہوش مند اور بہادر ثابت ہوئے۔ انھوں نے نہ صرف ریاست کے اندرونی و بیرونی انتشار کا خاتمہ کر دیا بل کہ ریاست کو از سرِ نو استحکام بخشا۔ ان کی بڑھتی ہوئی طاقت اور مقبولیت کو دیکھ کر ولی عہد سلطنت غوث محمد خاں کو فکر لاحق ہوئی اور انھوں نے وزیر محمد خاں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ دولت راؤ سندھیا کی فوج کے سپہ سالار اسد علی خاں نے نواب حیات محمد خاں کو ایک معاہدے کی رو سے اپنے اختیارات وزیر محمد خاں کو سپرد کرنے پر مجبور کر دیا اور اس طرح وزیر محمد خاں مختار مقرر ہو کر ریاست کی حیات نو کا سبب بنے۔ ۱۶ رمضان المبارک بروز شنبہ ۱۲۳۲ ہجری مطابق ۱۸۰۸ء میں بہ سبب علالت جب نواب حیات محمد خاں کی وفات ہو گئی تو غوث محمد خاں وزیر محمد خاں کی معزولی کی تدبیریں کرنے لگے، مرہٹوں سے مل کر انھیں قتل کرنے کی سازشیں بھی کی گئیں لیکن اس بار بھی کوئی کامیابی نہ مل سکی۔ آخر کار غوث محمد خاں کو اپنے کیے کی سزا ملی۔ انھیں ۱۸۰۹ء میں وزیر محمد خاں کے ہاتھوں ہزیمت اُٹھانا پڑی اور زندگی کا بقیہ حصہ قلعہ ارئسین میں گوشہ نشینی کی صورت میں گزارنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب وزیر محمد خاں ریاست کے نواب بنے اس نازک وقت میں اگر وزیر محمد خاں کشتی ریاست کی ناخدائی نہ کرتے تو بھوپال ناگپور گوارلیار کے حصے میں چلا جاتا۔ وزیر محمد خاں کی وجہ سے مرہٹوں کے وقار کو شدید نقصان پہنچا اور یہ حکومت ان کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ لہٰذا انھوں نے بھونسلہ اور سندھیا کی قیادت میں متحد ہو کر جنوری ۱۸۴۱ء میں ۲۸ ہزار فوج کے ساتھ بھوپال پر حملہ کر دیا۔ وزیر محمد خاں قلعہ میں محصور ہو کر ۹ ماہ تک دشمن کا مقابلہ کرتے رہے اس درمیان میں اکثر فوجی ان کا ساتھ چھوڑ گئے۔ نوبت فاقوں تک پہنچی، شہر ویران اور قبرستان آباد ہو گئے۔ نواب قدسیہ بیگم اپنی کتاب "تاریخ بیگمات" ص۔ ۲۳ پر اس زمانے کے حالات بیان کرتی ہیں۔ ہماری والدہ زینت بیگم ہمارے حصہ کا کھانا سپاہیوں میں تقسیم کر دیا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ ان کو اطلاع ملی کہ ایک دستہ پیٹ سے پتھر باندھ کر دشمنوں کا مقابلہ کر رہا ہے تو اسی وقت کھانا فراہم کر کے اور خود برقعہ پہن کر موقع پر پہنچ گئیں اور کھانا تقسیم کیا۔ اسی محاصرہ کے دوران میں نواب معز محمد خاں ابنِ نواب غوث محمد خاں کو جو ایک محافظ دستہ کے کمانڈر بھی تھے، دو روٹیوں سے زیادہ نہیں ملتی تھیں بل کہ بعض مرتبہ تو فاقہ پر گزرتی تھی۔ یہ تھا شاہی محل کا حال۔ اسی جنگ کے دوران ایک مرتبہ مرہٹہ فوج قلعے کا دروازہ توڑ کر اندر گھس گئی لیکن عورتوں نے اینٹوں اور پتھروں سے اتنا سخت مدافعانہ

حملہ کیا کہ دشمن کی فوج بوکھلا کر قلعے سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئی۔ عورتوں کے اس جرأت مندانہ اقدام کے نتیجہ میں بقول ڈاکٹر سلیم حامد رضوی:

"دشمن کی فوج میں یہ وہم پھیل گیا کہ بھوپال کی طرف سے کوئی مافوق الفطرت طاقت مقابلہ کر رہی ہے اس خیال کا نتیجہ یہ ہوا کہ فوج محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔"(۷)

دورانِ محاصرہ بھوپال پر مختلف اوقات میں سات حملے کیے گئے لیکن آخر کار دشمن کو خاطر خواہ کامیابی نصیب نہ ہونے کے سبب بھوپال پر قابض ہونے کا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس طویل محاصرہ کی ناکامی کے بعد سندھیانے ایک بار پھر ۱۸۱۶ء میں بھوپال پر حملہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی لیکن فوج افسران کے باہمی اختلاف کے باعث اس کی فوج سیہور سے ہی واپس لوٹ گئی اور بھوپال ایک بار پھر آزمائشی دَور سے بچ گیا۔ جب ایک مرتبہ پھر سندھیانے بھوپال پر لشکر کشی کا ارادہ کیا تو وزیر محمد خاں نے ۲ ستمبر ۱۷۸۷ء میں حیات محمد خاں سے ہوئے گڈڈرڈ (Goddard) معاہدے کے تحت کرنل اختر لونی (Aochterlony) سے مدد طلب کی۔ کرنل کی بروقت تنبیہ سے بھوپال سندھیا کے فوجی حملے سے محفوظ ہو گیا۔ بھوپال پر مسلسل حملوں اور اپنی کمزوری کے باعث محمد خاں، کمپنی سے دوستی کے خواہش مند ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں گفتگو بھی ہوئی لیکن اس سے پہلے کہ کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد ہوتا، چار دن کے بخار کے بعد ۲۱ ربیع الاول ۱۲۳۱ھ مطابق فروری ۱۸۱۶ء میں وزیر محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حالات مزید ابتر ہو گئے۔ ایسے نازک وقت میں ریاست کے ذمہ داران اور رعایائے بھوپال وزیر محمد خاں کے بیٹے نظر محمد خاں کو نواب بنانے پر متفق ہو گئے۔ نظر محمد خاں اپنے والد کی طرح بیدار مغز اور جری انسان تھے۔ اگرچہ انہیں بے شمار اندرونی و بیرونی مسائل و خطرات درپیش تھے۔ سابق حکمراں (نواب غوث محمد خاں مرحوم) کا خاندان ان کے انتخاب سے مطمئن نہ تھا۔ ان حالات میں نواب نظر محمد خاں نے دور اندیشی کا ثبوت دیتے ہوئے دونوں خاندانوں کے اتحاد کی ہر ممکن کوشش کی نیز حالات کے تقاضوں کے بموجب نواب غوث محمد خاں کی بڑی صاحبزادی گوہر بیگم قدسیہ سے شادی کر کے خانہ جنگی اور باہم کشمکش کے خطرات کا سدِ باب کیا اور ریاست کو بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کی غرض سے ۲۶ فروری ۱۸۱۸ء کو انگریزوں سے دوستانہ معاہدہ کیا۔ جس کی رو سے ریاست بھوپال کی ذمہ داری کمپنی کو سونپ دی گئی اور حفاظتی اقدامات کے بطور سیہور میں فوجی چھاؤنی کا قیام عمل میں آیا۔

ڈاکٹر سلیم حامد رضوی لکھتے ہیں:

"نظر محمد خاں کی اس دانش مندانہ کاروائی کی بدولت بھوپال میں ہمیشہ ہمیشہ
کے لیے امن و امان قائم ہو گیا۔ جنگ و جدال کا زمانہ ختم ہو گیا اور تمدنی، علمی
اور ادبی ترقیات کے لیے زمین ہموار ہو گئی۔"(۸)

تین سال نو ماہ چھے دن حکمرانی کے بعد ایک طپنچہ کے اچانک خود بخود چل جانے کے باعث، جمعرات، نومبر ۱۸۹۱ء کو نواب نظر محمد خاں کا انتقال ہو گیا۔ بڑے باغ میں ان کے والد کی قبر کے قریب تدفین عمل میں آئی۔ نظر محمد خاں کے مقبرے پر درج ذیل اشعار کندہ ہیں۔

نظیر الدولہ آں یکتائے عالم
شہادت از طپنچہ یافت دروم
پئے سال وفاتش گفت ہاتف
عدو یک از نظیر الدولہ شد کم

متذکرہ واقعات کی روشنی میں ریاست بھوپال کی تاریخ کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حصّہ اوّل:۔ جس کا آغاز بانی ریاست بھوپال سردار دوست محمد خاں سے ہوتا ہے اور گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ معاہدے پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) حصّہ دوم:۔ گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ہوئے عہد نامے سے ریاست کے آخری تاجدار نواب حمید اللہ خاں کے عہد تک اگرچہ ریاست بھوپال کی تاریخ کا حصہ اوّل اس کے قیام اور فتوحات کی وجہ سے بے حد اہم ہے لیکن اس کے دوسرے حصے سے ایک نئے دَور امن و امان، ترقی، استحکام اور خوش حالی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ دَور تاریخ بھوپال کا اہم ترین دَور یا "عہد زریں" کہلائے جانے کا مستحق ہے۔ نواب نظر محمد خاں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو درج ذیل وصیت کی تھی:

"نظر محمد خاں نے میجر ہنری صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بھوپال اور شہزادہ مسیح کو یہ وصیت کی کہ میرے بعد میری بیگم حکومت کریں اور اراکین سلطنت جس طرح میرے سامنے انتظام ملکی میں کوشش کرتے تھے آئندہ بھی گوہر بیگم قدسیہ کو اپنا آقا سمجھ کر ان کی

حسبِ مرضی کام کرتے رہیں۔ اور جب میری بیٹی سکندر بیگم سنِ شعور کو پہنچیں تو ان کی شادی رشتہ داروں ہی میں سے جو اُن کے لائق ہو اس سے کر دی جائے اور ان کا شوہر نواب بھوپال کہلایا جائے۔"(۹)

لٰہذا اس وصیت نامہ اور سکندر جہاں بیگم کی کم سنی کے باعث کی اجازت سے گوہر بیگم قدسیہ کو ریاست کا مختار مقرر کیا گیا۔ ان کی تعلیمی لیاقت کے متعلق میجر ہیوگ اپنی کتاب "تاریخ بھوپال" میں ان الفاظ میں رقمطراز ہیں:

"بیگم کی عمر اس وقت ۱۸ یا ۱۹ سال کی ہو گی، لیکن ان کی تعلیم نہایت باقاعدہ ہوئی تھی اور قدر اعلیٰ دماغ پایا تھا کہ تھوڑے عرصہ میں ریاست کا کام سنبھالنے اور تمام امور کو خود انجام دینے کے قابل ہو گئیں۔"(۱۰)

قدسیہ بیگم کے عہد میں حالات بڑی حد تک اطمینان بخش اور پرُسکون رہے۔ رعایا کے آرام و آسائش کا پورا خیال رکھا گیا اور علم و ادب کے فروغ کے سلسلے میں بھی خاطر خواہ توجہ کی گئی۔ خوب صورت مساجد اور عمارات تعمیر کی گئیں۔ مکہ معظّمہ و مدینہ منورہ میں رباطیں بنوائیں۔ جامع مسجد (بھوپال) اور قدسیہ محل اسی عہد کی یادگاریں ہیں۔ اپنی ذہانت و نیکی کی وجہ سے انھیں نہ صرف خاندانی خطاب "قدسیہ" سے نوازا گیا بل کہ بعہد شاہجہانی ۱۸۷۶ء میں انہیں ملکہ وکٹوریہ نے "کراؤن آف انڈیا" کا خطاب بھی عطا کیا۔ نواب قدسیہ بیگم نے علم و ادب کی ترقی کے سلسلے میں بھی دلچسپی لی نواب شاہجہان بیگم اس سلسلے میں لکھتی ہیں کہ:

"نواب قدسیہ بیگم کی خود مختاری میں اہل قلم کی بہت کچھ ترقی ہوئی ان میں حکیم شہزاد مسیح (فرانسیسی)۔ راجہ نوش وقت رائے، مولوی عبد القادر، مولوی شہاب الدین رؤف احمد رافت، مولوی امداد علی، حکیم خادم حسین، حکیم خادم حسین، حکیم گلزار علی، حکیم بہادر علی، مولوی ضیاء الدین، مولوی نظام الدین، حکیم واصل علی، شیخ قادر بخش، اور چند کایستھ ذی علم، قابلِ ذکر ہیں۔"(۱۱)

سلیم حامد رضوی اس وقت کے بھوپال کے متعلق یوں تحریر کرتے ہیں:

"اس طرح بھوپال ۱۸۷۳ء تک پھر تہذیب و تمدن کی اس منزل پر آ گیا جہاں دیوان چھوٹے خاں نے اسے چھوڑا تھا۔"(۱۲)

شہزادی سکندر بیگم جب سنِ شعور کو پہنچی تو نواب نظر محمد خاں کی متذکرہ بالا وصیت کے مطابق ان کی شادی ان کے چچازاد بھائی منیر محمد خاں سے طے کی گئی لیکن منیر محمد خاں کے ریاست پر خود مختارانہ قبضہ کرنے کی نیت و کوشش کی وجہ سے یہ نسبت فسخ کر دی گئی اور ان کے چھوٹے بھائی جہانگیر محمد خاں سے اس شرط پر نسبت کی گئی کہ انہیں انیس بائیس سال کی عمر میں اختیارات سونپ دیے جائیں گے اور شادی کے بعد وہ نواب مقرر ہوں گے۔ ۱۸ اپریل ۱۸۵۳ء بروز جمعہ سکندر جہاں بیگم کی شادی جہانگیر محمد خاں سے ہو گئی۔

شادی کے فوراًبعد نواب جہانگیر محمد خاں نے خود مختار حکومت حاصل کرنے کے سلسلے میں اپنی سر گرمیوں کو تیز کر دیا۔ یہاں تک کہ دونوں بیگمات کو قتل کرنے کی ناکام سازشیں بھی کی گئیں۔ تعلقات اس حد تک کشیدہ ہو گئے کہ خانہ جنگیوں نے باقاعدہ جنگ آشٹہ کی شکل اختیار کر لی۔ اس جنگ میں نواب جہانگیر محمد خاں کی فوج کو شکست کھاتے دیکھ کر پولیٹیکل ایجنٹ نے نہ صرف فوری مداخلت کی بل کہ کوشش کر کے نواب جہانگیر محمد خاں کو ریاست کے اختیارات بھی دلوادیے۔ نواب قدسیہ بیگم کے حصہ میں صرف چار لاکھ روپیہ کی جاگیر آئی۔

قدسیہ بیگم ریاست کی اس قسم کی تقسیم کو صریحاً ناانصافی تصور کرتی تھیں لہٰذا وہ اس فیصلے کے خلاف برابر کوشاں رہیں۔ ان کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے طرح طرح کی سازشیں کیں۔ بالا آخر ۲ نومبر ۱۸۷۳ء کو قدسیہ بیگم کو حکومت سے بے دخل کر کے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے میں کامیاب ہو گئے۔ ابتداء میں انھوں نے اپنی اہلیہ سکندر جہاں بیگم سے اچھا سلوک کیا لیکن بعد میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر دونوں کے درمیان کشیدگی اس حد تک پیدا ہوئی کہ سکندر جہاں بیگم اپنے شوہر سے ان کی زیادتیوں کی بناء پر کبیدہ خاطر ہو کر اپنی والدہ کے ساتھ اسلام نگر میں رہنے پر مجبور ہوئیں اور یہیں ان کے بطن سے شاہجہان بیگم پیدا ہوئیں۔ نواب جہانگیر محمد خاں نے ۲ سال چند ماہ حکومت کی۔ وہ فیاض اور سخی انسان تھے۔ شاعرانہ مزاج ہونے کے باعث علماء اور شعرا کی بے حد قدر کرتے تھے۔ ان کے عہد میں جو علماء اور شعرا اطراف ہند سے بھوپال آئے، ان میں علامہ احمد یمنی، قاضی شریف حسین دہلوی اور حکیم محمد اعظم خاں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ نواب جہانگیر محمد خاں اُردو، فارسی میں اچھی صلاحیت رکھتے تھے اور دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے۔ دولہ تخلص تھا۔ اُردو کے دو دیوان "دیوان دولہ" اور "دیوانِ جہانگیری" ان کی یادگار ہیں۔ وہ بھوپال کے پہلے صاحب دیوان شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

شعر وادب کے علاوہ فن تعمیر سے بھی انہیں بڑی دلچسپی تھی چناں چہ ان کے دورِ حکومت میں انگریزی طرز کے باغات اور کوٹھیاں تعمیر کی گئیں۔ نواب موصوف کے نام پر ایک محلّہ جہانگیر آباد وجود میں آیا۔ شاہجہان بیگم کی ولادت کے بعد اگرچہ نواب صاحب اور سکندر جہاں بیگم کے مابین کشیدگی کم ہو گئی تھی لیکن مصاحبین دونوں کے تعلقات خوشگوار دیکھنا نہ چاہتے تھے۔ آخر میں یہ مصاحبین اس قدر حاوی ہو گئے تھے کہ نواب جہانگیر محمد خاں ان کے سامنے بے دست و پا ہو کر رہ گئے تھے۔ دورانِ علالت، سکندر جہاں بیگم کے نام ان کے ایک خط کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

"مجھ کو ریاست آپ کی نسبت سے پہنچی ہے اس وقت میری حالت تباہ ہے لہٰذا ریاست بھوپال میں نے آپ کے مہر میں دی۔ آئندہ آپ مالک ہیں جس کو چاہیں میرے بعد مسند نشین کریں۔ نواب اسد علی خاں اور فاضل محمد خاں شاہجہان بیگم کی نسبت اپنے لڑکوں سے کرنا چاہتے ہیں مجھ کو یہ دونوں جگہ منظور نہیں ہے۔ آئندہ آپ مختار ہیں بیمار کو نواب اسد علی خاں نے پاگل مقرر کر رکھا ہے اور بڑے صاحب بہادر بھی میری بات کی کوئی وقعت نہیں سمجھتے۔ ریاست آپ کے باپ کی ہے میرے باپ کی نہیں تمام باسودہ بھوپال میں جمع ہو گیا ہے۔ اس بات کی تدبیر لازم بلکہ الزم ہے یہ لوگ بڑے صاحب بہادر کی طلب پر آئے ہیں۔ اس لیے میری بات کو نہیں سنتے۔"(۱۳)

۹ دسمبر ۱۸۴۴ء میں نواب جہانگیر محمد خاں کا بیماری کی حالت میں انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد جانشینی کے سلسلے میں گورنر جنرل نے ۲۸/ دسمبر ۱۸۴۴ء کو درج ذیل حکم نامہ جاری کیا۔ "جس کے ساتھ نواب شاہجہان بیگم کی شادی ہو گی وہی شخص مسند نشین ریاست ہو گا۔ مگر جب کہ اس کا مناسب وقت آئے گا اور اراکین ریاست کا مشورہ اور گورنر جنرل کی منظوری ہو گی۔" لہٰذا شاہجہان بیگم جانشین مقرر ہوئیں لیکن کم عمری کے باعث ریاست فوجدار محمد خاں کے ذمہ آیا اور سکندر جہاں بیگم کی امورِ مملکت میں مداخلت تسلیم کی گئی۔ سکندر جہاں بیگم کی ذہانت اور انتظامی صلاحیت اور عوامی مقبولیت کے پیشِ نظر لارڈ کیننگم نے ۲۸ جنوری ۱۸۴۷ء کو ایک حکم نامہ جاری کر کے سکندر جہاں بیگم کو خلعتِ نیابت مرحمت کرتے ہوئے باقاعدہ طور پر مختار ریاست ہونے کا اعلان کر دیا۔ نواب سکندر جہاں بیگم کے مختار مقرر ہونے کے بعد سے تاریخ ریاست بھوپال کے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ جس وقت انھوں نے ریاست کی باگ دوڑ اپنے ہاتھوں میں لی، اندرون اور بیرون ریاست حالات ناگفتہ بہ تھے۔ لیکن سکندر جہاں بیگم نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور تدبیر و حکمتِ عملی کے ذریعے حالات پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہ ہر لحاظ سے ایک کامیاب حکمران ثابت ہوئیں۔ انھوں نے اپنی تنظیمی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اصلاحات کیں۔ ریاست میں عدالتی نظام قائم کیا۔ سرائیں، سڑکیں اور ڈاکخانے تعمیر کروائے۔ پولیس تعلیم اور احتساب کے محکمات قائم کیے۔ ان کے متعلق نواب سلطان جہاں بیگم اپنی کتاب "تزکِ سلطانی" (دفتر چہارم) میں لکھتی ہیں:

"تاریخ بھوپال میں نواب سکندر جہاں بیگم صاحبہ کو وہی مرتبہ ہے جو تاریخ میں شہنشاہ اکبر اعظم کو حاصل ہے.................. نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشیں، اگرچہ ایسے زمانہ میں پیدا ہوئیں تھیں اور انھوں نے ایسے زمانہ میں نشو و نما پایا تھا جو تاریخ میں

سب سے زیادہ تاریک اور ہولناک ہے................. اور پھر عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد اصلاحات وامور ومہمات ان کے مبارک اور طاقتور ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئے انہوں نے ظاہر کر دیا کہ فطرت نے ان کو ایک ملک کی اصلاح کے لیے پیدا کیا تھا اور اون میں ایک انتظامی قوت ودیعت کی تھی............ بھوپال ہمیشہ اپنے ایسے حکمراں کے دورِ حکومت پر فخر ومباہات کرے گا۔"(۱۴)

سکندر جہاں بیگم خود عالم تھیں اور علوم وفنون کی قدر داں بھی تھیں۔ چناں چہ اُردو زبان کو سرکاری زبان کا درجہ سب سے پہلے انہیں کے دورِ حکومت میں حاصل ہوا۔ ان کی فرمائش پر رجب علی بیگ سرور نے "شرارِ عشق" لکھی۔ سکندر جہاں بیگم نے شیخ احمد داغستانی سے قرآن مجید کا ترجمہ ترکی زبان میں کرنے کی خواہش کی۔ ان کے عہد میں ایک مطبع ور دفتر تاریخ کا قیام عمل میں آیا۔ کمپنی نے ان کی بہترین کارکردگی کے صلے میں انھیں "اسٹار آف انڈیا" کے خطاب سے نوازا۔

کم سنی کے باعث شاہجہان بیگم کے اپنی والدہ سکندر جہاں بیگم کے حق میں دستبردار ہو جانے پر گورنمنٹ نے سکندر جہاں بیگم کو ہی فرمان روا تسلیم کر لیا۔ یکم مئی ۱۲۶۰ء مطابق ۹ شوال ۱۲۷۶ء ہجری کو سکندر جہاں بیگم کی تقریب صدر نشینی منعقد ہوئی۔ ۳۰/ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو نواب سکندر جہاں بیگم نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی بیٹی نواب شاہجہان بیگم ۱۶/ نومبر ۱۸۶۸ء کو بحیثیت نواب مسند نشین ہوئیں۔

حوالہ جات

(۱) عالمگیر محمد خاں نمود، "شبستان عالمگیری"، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۷، ص ۲۱

(۲) نذر سجاد، "بھوپال تاریخ کے آئینہ میں"، انجمن ترقی اُردو (ہند) ۱۹۹۶، نئی دہلی، ص ۲۲۴

(۳) محترمہ طیّبہ بی، "تاریخ فرمانروایانِ بھوپال"، مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، لاہور ۱۹۹۴ء ص ۵

(۴) عالمگیر محمد خاں نمود، "شبستان عالمگیری"، ص ۵

(۵) رستم علی سرہندی، "تاریخِ ہندی"، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۵ء، ص ۳۱۱

(۶) ڈاکٹر سلیم حامد رضوی، "اُردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ"، ص ۳۲

(۷) ایضاً، ص ۴۸

(۸) تاریخ مالوہ-۔بحوالہ ''بیگمات بھوپال''(حصہ اول)رضالائبریری ۱۹۴۵ءرام پور، ص ۱۱۵۴

(۹) ''تزکِ سلطانی''(تاج الاقبال دفتر چہارم)سلطان جہاں بیگم، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۹۵

(۱۰) اڈاکٹر سلیم حامد رضوی، ''اُردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ''، ص ۳۴

(۱۱) نواب شاہ جہان بیگم، ''حیات سکندری''، اُردو اکادمی لکھنؤ، اتر پردیش، ۱۹۹۶ء، ص ۱۴

(۱۲) ''تزکِ سلطانی''(تاج الاقبال دفتر چہارم)سلطان جہاں بیگم، ص ۱۱، ۱۰

(۱۳) ایضاً، ص ۶۱

(۱۴) ڈاکٹر سلیم حامد رضوی، ''اُردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ''، ص ۴۹